کویت کی جغرافی و تاریخی حیثیت

از ڈاکٹر سید رضوان علی - کراچی یونیورسٹی

کویت کی اپنی تاریخ کیا ہے؟ اس کا وجود کتنا پرانا ہے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری صحافت میں اس سے متعلق جو تھوڑا بہت مواد بعض مولوی صاحبان کے قلم سے شائع ہوا ہے، وہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ بعض حضرات نے ہم سے اس سلسلہ میں استفسار کیا، اور یقیناً دوسرے بہت سے لوگ بھی جاننا چاہتے ہوں گے اس لیے آئندہ سطور میں ہم کویت کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت پر کچھ مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

نقشہ میں کویت کا محل وقوع دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ یہ تقریباً ایک مثلث کی شکل کا قطعہ زمین ہے۔ اس کا رقبہ ۱۷۸۱۸ کیلومیٹر مربع ہے، شمالی حدود عراق سے ملتی ہیں۔ اور جنوبی سعودی عرب سے اور اس مثلث کا مشرقی حصہ خلیج فارس یا خلیج عربی یا اب صرف خلیج پر واقع ہے۔ یہ سارا علاقہ ریگستان ہے۔ موجودہ زمانہ میں کویت میں جو تھوڑی بہت سرسبزی و شادابی ہے۔ یہ مصنوعی طور پر سمندر کے پانی کو میٹھا کر کے اور سبزہ اگا کر کی گئی ہے۔

قدیم جغرافیائی عربی کتابوں میں جو ابن خرداذبہ، اصطخری، ابن حوقل، مقدسی وغیرہ کے قلم سے المسالک والممالک کے نام سے (ابن حوقل کی کتاب کا صحیح، تحقیقی نام صورۃ الارض ہے) چوتھی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک لکھی گئی ہیں۔ ان میں کویت کا نام نہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم اور ضخیم ترین کتاب ساتویں صدی ہجری کے

یاقوت الحموی کی کتاب معجم البلدان (پانچ جلدیں) ہے اور یہ ایک ڈکشنری کی صورت میں ہے۔ اس میں بھی کویت کا کہیں ذکر نہیں، جب کہ اس میں عالم عرب بلکہ عالم اسلام کے ہزاروں شہروں اور گاؤں تک کا ذکر ہے۔ اسی طرح قدیم تاریخی کتب، تاریخ طبری، تاریخ مسعودی (مروج الذہب) اور تاریخ ابن الاثیر (الکامل فی التاریخ) اور تاریخ ابن خلدون میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ آخر کار کویت کس طرح اور کب وجود میں آیا؟ اور اس کا عراق یا سعودی عرب سے کیا تعلق ہے؟

موجودہ دور میں عربی زبان میں کویت سے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے ایک قدیم کتاب لبنان کے مشہور امریکی الجنسیہ، مؤرخ، ادیب اور سیاح امین اریحانی کی "ملوک العرب" ہے جو اس نے جزیرۂ عرب، عراق اور خلیج کی دوسری ریاستوں کی سیاحت کے بعد ۱۹۲۴ء میں لکھی تھی۔ یہ کتاب دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس میں کویت کی تاریخ پر بہت کچھ تحریر ہے۔ خیر الدین الزرکلی کی "الاعلام" میں بھی کویت کے حکام پر کافی مواد ہے۔ ایک کتاب میرے مرحوم مصری دوست ڈاکٹر شیخ احمد الشرباصی (استاذ جامعۂ ازہر) کی "ایام الکویت" کے نام سے ہے جو انھوں نے کویت میں ایک سال کے قیام کے بعد ۱۹۵۴ء میں شائع کی تھی۔ ایک دوسری ضخیم کتاب "البلدان الاسلامیۃ فی العالم المعاصر" (مسلمان ممالک عصر حاضر میں) ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۷۹ء میں ریاض میں منعقد "پہلی جغرافیہ اسلامی کانفرنس" کے موقع پر شائع کی گئی ہے۔

ان چند مستند کتابوں اور تاریخ طبری و معجم البلدان یاقوت میں وارد اشارات سے جو حقائق کویت کی تاریخ کے بارے میں معلوم ہوتے ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

لفظ کویت کوت کی تصغیر ہے۔ یہ لفظ عربی زبان کا نہیں اور کسی عربی لغت میں مذکور نہیں۔ بعض عرب مصنفین نے اس کو عراقی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ درحقیقت جیسا کہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ "کوت" ہندی

لفظ کوٹ[1] ہے۔ ہمارے ملک میں اس لفظ کی ترکیب کے ساتھ عمر کوٹ، بالا کوٹ، راقی کوٹ کے قصبے مشہور ہیں۔ عراق میں جا کر اس لفظ کا تلفظ کوٹ کی طرح "کوت" ہو گیا اور وہاں اس نام سے بغداد کے جنوب میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک شہر کا نام "کوت العمارۃ" ہے، جو آج کل صرف "الکوت" کے نام سے مشہور ہے اور عراق کے نقشوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

عراق اور خلیج میں مستعمل عربی زبان میں ہندوستانی اور فارسی زبانوں کے بہت سے الفاظ مستعمل ہیں، جیسے میز، دروازہ، شلغم، دوشک (توشک) وغیرہ وغیرہ۔ اور "کوت" ایک چھوٹے سے ایسے قلعہ یا گڑھی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے آس پاس کچھ دوسرے مکانات بھی ہوں اور یہ عام طور پر کسی دریا، سمندر یا اور کسی قسم کے پانی کے کنارے ہو۔ جس طرح عراق کا "الکوت" دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے۔

اسی طرح مختلف روایات کے مطابق گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں خانہ بدوش بدو قبیلہ بنی خالد کے ایک سردار براک بن غرار الحمیدی نے موجودہ کویت کے علاقہ قرین میں ایک قلعہ یا گڑھی بنائی جس کا نام "الکوت" رکھا اور ایک دوسرا چھوٹا سا قلعہ یا گڑھی بنائی جو ساحل سمندر کے پاس تھی اور اس کا نام "الکویت" رکھا کہ اس میں بصرہ سے براہ سمندر آنے والا سامانِ رسد محفوظ رکھا جاتا تھا اور اس کے آس پاس کچھ مکانات آباد تھے۔ اس زمانہ میں خلیج فارس کے علاقہ میں قبائل میں آپس کی لڑائی اور سمندر میں قزاقی (PIRACY) عام تھی۔ بارھویں صدی ہجری کے اوائل میں جنوبی نجد کے ریگستانی علاقہ "افلاج" سے ایک قبائلی سردار صباح اپنے قبیلہ عنزہ کے افراد کے ساتھ آکر یہاں آباد ہوا اس نے کویت پر قبضہ کر لیا یا کویت کے سردار قبیلہ محمد بن عریعر نے اس کو یہ قلعہ دے دیا۔ چونکہ یہ لوگ نوشت و خواند سے ناآشنا تھے۔ اور اس زمانہ کا کوئی تحریری سرمایہ موجود نہیں۔ اس لیے قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خاندان

[1] ڈاکٹر احمد الشرباصی مرحوم نے اس کو عراقی (لوکل عراقی) زبان کا لفظ بتایا ہے۔

کا ورود وہاں کس سن میں ہوا۔ مختلف زبانی روایات کے مطابق یہ لوگ گیارھویں صدی ہجری کے اواخر یا بارھویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) کے اوائل میں نجد کے ریگستانی علاقہ سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور صباح کو یہاں کے لوگوں نے ڈاکٹر شیخ احمد الشرباصی کی روایت کے مطابق ۱۱۱۰ھ میں اپنا سردار چن لیا۔ ایک دوسری تاریخ انہوں نے ہی ۱۱۲۵ھ دی ہے۔ میرے نزدیک یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس سردار اور موجودہ معزول کویتی حکمران خاندان کے مورث اعلیٰ کی وفات ۱۱۷۵ھ میں ہوئی اور ۶۵ سال تک اس کی "مشیخت" یا حکومت ناقابلِ تصور رہی ہے۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ "کویت" کی تاریخ اسی "آلِ صباح" کے وہاں آباد ہونے سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ایک غیر آباد ساحلی علاقہ تھا جس میں نئی آبادی شروع ہوئی تھی۔ اس لیے دور تو کیا خود اس علاقہ میں کویت کا کوئی خاص ذکر نہ تھا۔ جب کہ شمال میں عراق کا بندرگاہ بصرہ اور جنوب میں عمان کے سواحل مشہور تھے، لیکن اس خاندان کے تیسرے حاکم جابر بن عبد اللہ بن صباح (۱۲۲۹ — ۱۲۷۲ھ) کے عہد میں جس نے ۴۳ سال حکمرانی کی، اس چھوٹی سی شہری ریاست کا نوٹس سلطنتِ عثمانیہ نے لیا۔ اس شیخ نے بصرہ کی داخلی لڑائی میں سلطنتِ عثمانیہ کے ترکی گورنر کی اپنے آدمیوں سے مدد کی، جس پر ترکی حکومت نے اس کو پروانۂ حکومت اور ایک سبز پرچم دیا اور سالانہ ڈیڑھ سو من کھجوروں کی مدد مقرر کی جو بعد کو دوسرے حکّام کے عہد میں بھی جاری رہی۔

اس طرح کہا جاتا ہے کہ کویت کی تاریخ تقریباً صرف تین پونے تین سو سال پُرانی ہے اور اس کا سیاسی وجود انیسویں صدی کے نصف اوّل میں یعنی ڈیڑھ پونے دو سو سال قبل شروع ہوا۔ جب کویت کے تیسرے قبائلی سردار جابر بن عبد اللہ بن صباح کو عثمانی سلطنت نے اپنے تابع ایک آزاد حکمران تسلیم کیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسی حاکم کے عہد میں بعض انگریز انڈیا سے کویت آئے اور انہوں نے شیخ جابر سے یہاں برطانوی پرچم لہرانے کی اجازت طلب کی اور

چاہا کہ کویت میں کچھ تجارتی عمارات بنائیں کہ اس صدی میں سمندروں اور سمندری سواحل کی "شاہی" انگریزوں کے قبضہ میں تھی اور وہ برابر اس کو وسیع تر کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ لیکن جابر الصباح نے عثمانی ترکی سلطنت سے اپنے تعلقات کی بنا پر انگریزوں کے اس مطالبہ کا انکار کر دیا۔

لیکن کویت کے ساتویں حاکم مبارک الصباح نے جو ایک سخت گیر، عالی ہمت، طالع آزما اور مطلب پرست شخص تھا اور اپنے دو بھائیوں کو خفیہ طور پر قتل کر کے حکمران بنا تھا خاندانی اختلافات اور انتقامی تحریکات کی وجہ سے ترکوں سے ڈر کر اور انگریزوں کے دباؤ کے تحت ۱۸۹۹ء میں برطانوی حکومت سے معاہدہ کر لیا۔ جس کے تحت کویت انگریزوں کے تابع ہو گیا۔ یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ کویت کے داخلی فتنہ کے سبب سلطنتِ عثمانیہ کا مطالبہ تھا کہ مبارک الصباح یا تو استنبول آجائے جہاں اسے عزت و احترام کے ساتھ مجلسِ مشاورت کا ممبر بنا لیا جائے گا یا کسی اور ملک میں چلا جائے اور اس کو سالانہ تنخواہ ملتی رہے گی۔ یا پھر اس کے خلاف قوت استعمال کی جائے گی۔ انگریزوں کو جب اس کی بھنک پڑی (جو پہلے سے کویت پر اپنا پرچم لہرانے کے خواہشمند تھے) تو انہوں نے اس زمانہ کی اپنی (GUNBOAT DIPLOMACY) کے مطابق دو جنگی جہاز کویت کے ساحل پر بھیج دیئے۔ اس طرح بزور کویت سے معاہدہ کر کے اپنے تابع کر لیا۔ اس معاہدہ کے مطابق یہ طے ہوا کہ حکومت آلِ صباح میں رہے گی۔ کویت اپنے داخلی اُمور میں آزاد ہو گا۔ لیکن خارجہ پالیسی اور عسکری اُمور انگریزوں کے ماتحت ہوں گے اور انگریز خارجی حملوں سے اس کی حفاظت کریں گے۔

اس طرح ۹۱ سال قبل کویت انگریزوں کے تابع ہو گیا۔ جیسے تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کے نواب اور راجے، مہاراجے انگریزوں کے تابع تھے۔ ۱۹۶۱ء میں کویت کو آزادی ملی۔ اور اب تیس سال بعد انگریز نئے سیاسی حقائق کے تحت امریکیوں کے ساتھ کویت پر دوبارہ اپنا قبضہ جمانے کے لیے تین ہفتوں سے عراق پر ہولناک بمباری کر رہے ہیں اور کویت کی سرزمین کو عراقیوں کے خون سے لالہ زار

بنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔
لیکن کویت کی تاریخ کے حوالے سے دو سوال ہنوز جواب طلب ہیں کہ تین پونے تین سو سال قبل "کویت" نام کی زمین اچانک تو سمندر سے نمودار نہیں ہوگئی، اس کے وجود کو اس سے قبل کس نام سے پہچانا جاتا تھا اور یہ کہ عراق یا جزیرہ عرب سے اس کا کیا تعلق رہا ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ عام تواریخ اس بارے میں خاموش ہیں، نہ تو ملوک العرب کے مصنف امین الریحانی نے اس بارے میں کچھ لکھا ہے اور نہ مصری مصنف "ایام الکویت" نے اس پر توجہ دی ہے۔ خیر الدین الزرکلی نے الاعلام (۲/۲۸۵) میں خلیج کے ایک مصنف کی ایک قلمی کتاب "مذاکرات خالد الفرج" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کویت کی جگہ پہلے قرین تھا۔ مرحوم زرکلی نے اس معاصر مصنف کا صرف یہ قول نقل کر دیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی یقینی بات نہیں کہی ہے۔
ہمارے نزدیک خالد الفرج کی یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ قرین کا نام نہ تو یاقوت کی معجم البلدان میں ہے اور نہ کسی اور جغرافیہ کی قدیم عربی کتاب میں، اور نہ اس کا وجود کویت کے تفصیلی نقشوں میں نظر آتا ہے۔ جو کتاب "البلدان الاسلامیۃ" اور سعید صباغ کے الاطلس العربی میں دیئے ہوتے ہیں۔ درحقیقت "قرین" کویت شہر کے کافی جنوب مشرق میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ کویت اور سعودی عرب کے مابین جنوب میں آزاد علاقہ سے متصل ہے اور یہاں کوئی آبادی نہیں۔
ہمارے نزدیک کویت کا علاقہ زمانہ قدیم میں "کاظمہ" کے نام سے معروف تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ شہروں اور راستوں کے بارے میں جو قدیم ترین عربی کتاب ابن خرداذبہ کی المسالک والممالک (تصنیف ۲۷۲ھ) موجود ہے اس میں بصرہ سے یمامہ (موجودہ ریاض) اور یمامہ سے بصرہ کا جو راستہ اور منازل مذکور ہیں، ان میں بصرہ کے بعد پہلی منزل ہی کاظمہ ہے اور یہی بات قدرے تفصیل سے ساتویں صدی ہجری میں یاقوت نے معجم البلدان کاظمہ کے ذکر میں (۴/۴۳۱) لکھی ہے۔ اس نے

بتایا ہے کہ ساحل سمندر سے قریب یہ ایک داخلی وسیع علاقہ ہے۔ اور یہاں پانی کے کنوؤں پر کافی حوض ہیں اور پانی پینے کے قابل ہے۔ اس نے اس کو بصرہ سے دو منزل بتایا ہے اور یہ کہ یہ بصرہ سے جزیرۂ عرب کے مشرق ساحل کو جانے والے راستہ پر واقع ہے[1]۔ ریاض سے کویت جانے والا راستہ آج بھی موجود ہے۔ وہاں سے بصرہ کے لیے میں نے بھی ۱۹۶۴ء میں سفر کیا تھا۔

اس کاظمہ کا ذکر ہم کو تاریخ طبری میں بھی متعدد بار ملتا ہے۔ اسلام سے قبل بھی اور اسلام کے بعد بھی، اس علاقہ میں عربوں اور ایرانیوں کے مابین ایک جنگ کسریٰ شاپور کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور ایک دوسری یادگار جنگ "معرکۂ ذات السلاسل" کے نام سے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جنگ یمامہ کے فوراً بعد ہوئی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کے مرتد متبعین کی خالد بن الولید کے ہاتھوں یمامہ (ریاض) میں شکست کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس لشکر کو شمال میں ایرانی علاقہ (عراق) میں واقع حیرہ (جہاں بعد کو کوفہ آباد ہوا) کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ اور یہاں ایرانیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حوادث ۱۲ھ ۳/۳۴۶-۳۴۹) یاد رہے کہ اس زمانہ میں بصرہ کی جگہ قدیم ایرانی پورٹ اُبلہ آباد تھا، جہاں ایرانی فوج رہتی تھی۔ جو وہاں سے خلیج فارس کو کنٹرول کرتی تھی اور عربوں پر حملے کرتی رہتی تھی۔ جیسا کہ طبری نے اس موقعہ پر لکھا ہے اور "حیرہ" کے لیے یمامہ کا راستہ اُبلہ سے ہو کر گذرتا تھا۔

اب اگر ہم کویت کے موجودہ نقشہ میں دیکھیں تو موجودہ شہر کویت کے مغرب میں خلیج کویت کے ساحل پر "کاظمہ" کا نام نظر آتا ہے۔ جہاں سے وہ پائپ لائن گذرتی ہے جو کویت کے شمالی تیل کے کنوؤں سے موجودہ بڑے آئل ٹرمینل احمدی تک آتی ہے۔ کاظمہ کے قریب ہی جنوب مغرب میں جہرہ کا چھوٹا سا شہر ہے جہاں سے بصرہ کو سیدھی سڑک جاتی ہے۔ کاظمہ اب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔

---

[1] کاظمہ کا نام جاہلی اور اسلامی عہد کے عربی اشعار میں بھی ملتا ہے۔

بصرہ سے حج کا راستہ اسی کاظمہ سے ہو کر گذرتا تھا کہ صرف وہاں اس ریگستانی علاقہ میں وافر پانی موجود تھا، موجودہ شہر کویت سے صرف بیس پچیس کیلو میٹر کے قریب ہے۔ اب کاظمہ کے بجائے جہرہ کو اہمیت حاصل ہے اور یہ کویت شہر سے صرف ۱۵ میل دور ہے۔

یہ تو تفصیل سے واضح ہو گیا کہ موجودہ کویت وہیں آباد ہے جس کے قریب پہلے "کاظمہ" آباد تھا۔ جہاں تک اس کے عراق یا جزیرۂ عرب سے تعلق کا تعلق ہے تو قدیم جغرافیائی کتابوں میں جزیرۂ عرب کے مشرقی ساحل کا علاقہ کہا گیا ہے، جس کو قدیم اسلامی زمانہ میں "بحرین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ موجودہ ابوظہبی و دبئی وغیرہ ساحلی علاقوں سے عراق کی حدود تک واقع تھا۔ موجودہ جزیرۂ بحرین کا نام اس قدیم زمانہ میں "اوال" تھا اور یہ بھی اس قدیمی بحرین یا سعودی عرب کے مشرقی ساحل کا ایک حصہ تھا اور اب قدیمی نام کا اطلاق صرف اس جزیرہ پر ہوتا ہے۔ یہ سعودی ساحل سے اس قدر قریب ہے کہ الخبر سے نظر آتا ہے اور اب اس سعودی ساحلی شہر سے بحرین کو ایک سمندری سڑک جاتی ہے جس کی تکمیل صرف ۴ سال قبل ہوئی ہے۔

اس جغرافیائی حقیقت کے پیش نظر درحقیقت یہ موجودہ سعودی عرب کا علاقہ ہے اور اس پر عراق کا دعویٰ صحیح نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کویت سعودی عرب کے کسی شہر کے مقابلہ میں عراقی حدود اور اس کے مشہور پورٹ بصرہ سے قریب تر ہے ایسا ہی جیسے آپ کراچی سے حیدر آباد چلے جائیں۔

جہاں تک صدام حسین کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ یہ سیاسی طور پر عراق کا ایک حصہ ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں جس وقت نجد میں ایک مستقل حکومت قائم تھی اُس وقت کویت بصرہ کے ترکی گورنر کے ماتحت تھا، تا آنکہ اس پر انگریزوں نے ۱۸۹۹ء میں قبضہ جما لیا۔ اور پھر کویت بمبئی کے گورنر کے ماتحت تھا، اور یہاں ایک پولیٹکل ایجنٹ (انگریز) رہتا تھا۔

علاوہ ازیں امین الریحانی نے اپنی مذکورہ سابق کتاب ملوک العرب ص ۶۷۹ میں

۱۹۲۲ء میں دلچسپ انداز میں انکشاف کیا تھا کہ کویت اس وقت دو غالب قوموں اور دو طاقتوں اور اس پر قبضہ کی لالچ رکھنے والی دو حکومتوں یعنی نجد و عراق کے درمیان اس طرح ہے جیسے ایک حسینہ دو عاشقوں کے درمیان، کہ دونوں اس کے طالب ہیں۔ اس کے بعد اُس نے یہ بھی مزید انکشاف کیا ہے کہ بغداد میں مجھے ایک ذمہ دار سرکاری شخص نے کہا کہ "کویت عراق کا ایک حصہ ہے"، اور کویتی عراق کے ساتھ انضمام پسند کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کویت پر عراق کی نظریں ۱۹۲۲-۲۳ء سے رہی ہیں اور عراق کو کھلے سمندر میں اپنے لیے ایک پورٹ کی سخت ضرورت ہے کہ بصرہ شط العرب (دریا) پر واقع ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عراق اور نجد کے قبائل اس صدی کے اوائل میں کویت پر حملے کرتے رہے ہیں۔ مگر کویت کے حکام نے ہشیاری سے اپنی آزادی کو برقرار رکھا اور ابن سعود (موجودہ شاہ فہد کے والد عبدالعزیز) سے تعلقات استوار رکھے۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب کویت میں تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی اور کویت کی آمدنی کا ذریعہ سمندری تجارت، ماہی گیری اور سمندر سے موتی نکالنا تھا اور یہ سب کویت کے مشرقی ساحل پر تھا۔ جہاں زیادہ تر گھر مٹی کے تھے۔ کویت کا نوے فی صد علاقہ شمال، جنوب اور مغرب میں بے آب و گیاہ ریگستان ہے اور وہاں خال خال ہی کہیں آبادی ہے۔ لیکن ۱۹۳۶ء میں وہاں تیل کی دریافت سے اس سارے صحرائی علاقہ کی اہمیت انتہائی بڑھ گئی ہے۔ تیل شمال، جنوب، مشرق ہر طرف کے علاقوں میں پایا گیا۔ اس درمیان میں دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ اور انگریزوں نے جرمنوں کے ڈر سے جن کی نگاہیں شرقِ اوسط پر تھیں اور جہاں پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے انگریزوں سے نفرت و بیزاری عام تھی۔ ۱۹۴۲ء میں دریافت شدہ دس بارہ تیل کے کنوؤں کو کنکریٹ سے بند کر دیا۔ اور ۱۹۴۶ء میں دوبارہ یہ کنوئیں کھولے گئے۔ اور ان سے تیل نکالنا شروع کیا گیا اور پھر مزید کنوئیں عراق کی سرحد پر واقع مناطق سے

لے کر جنوب میں سعودی سرحد تک دریافت ہوئے اور معلوم ہوا کہ کویت ایک ایسے جہاز کی طرح ہے جو پانی کے بجائے تیل پر کھڑا ہے۔

شیخ احمد الشرباصی مصری لکھتے ہیں کہ کویتی لوگ کہتے ہیں "۱۹۵۲ء میں اگر ہم پانی کے لیے زمین میں کنواں کھودتے ہیں تو کھاری پانی نکلتا ہے، مزید کھودتے ہیں تو تیل نکل آتا ہے۔ سو اب کویت کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، کویتی برٹش آئل کمپنی تیل کی صنعت پر قابض تھی جس نے آئیل ٹرمینل "الاحمدی" میں ایک مستقل انگریز کالونی بنا رکھی ہے۔ (میں نے اس کالونی کو ۱۹۶۴ء میں دیکھا تھا)۔

عراق میں ۱۹۵۸ء کے فوجی انقلاب کے بعد نوجوان بادشاہ فیصل بن غازی بن الملک فیصل (شاہ حسین کے چچا زاد بھائی) کی حکومت ختم کر دی گئی تھی اور جنرل عبدالکریم قاسم حکمران تھا۔ جیسے ہی کویت کو ۱۹۶۱ء میں آزادی ملی یہ اپنے ٹینک لے کر کویت کی سرحد پر آ گیا۔ انگریز جلد ہی مشترکہ فوجی معاہدہ کے تحت وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے عبدالکریم قاسم کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ٹینک وہاں سے واپس لے جائے اس طرح کویت انگریزوں کی مدد سے عراق سے بچا۔ یہاں انگریزوں کے اپنے تیل سے متعلق اہم مفادات بھی تھے۔

اس بار ۲ راگست ۱۹۹۰ء کو دوسری بار اچانک ایک بھاری فوج اور ٹینکوں کی مدد سے عراق کویت پر ایک رات ہی میں قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور عراقیوں کی کویت پر قبضہ جمانے کی نصف صدی کی خواہش پوری ہوئی۔ لیکن اب ۱۹۶۱ء کے حالات نہیں ہیں۔ امریکہ اور روس کی سرد جنگ ختم ہو گئی ہے۔ افغانستان میں شکست کے بعد روس اپنی داخلی سیاسی و اقتصادی مشاکل میں گھرا ہوا ہے اور امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور یا طاقتِ عظمیٰ ہے۔ اس کو گوارا نہیں کہ عراق اپنی زبردست فوجی قوت کے ساتھ کویت پر قابض رہے اور خلیج میں اس کا نفوذ قائم ہو جس کی تیل کی دولت سے امریکہ و یورپ کی صنعتیں چلتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنی اور اپنے مغربی حلیفوں خاص طور پر پرانے استعماری ملک برطانیہ و فرانس کی زبردست فوجی طاقت کے ساتھ

خلیج میں آدھمکا اور عراق کے خلاف وہ ہولناک اور تباہ کن جنگ شروع کی جس کے مناظر صبح وشام ہم امریکن ٹیلی وژن سی این این پر دیکھ رہے ہیں۔

انتہائی افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمان بلکہ عرب ملک اس میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں، جب کہ ان کو صلیبی، یہودی، امریکن اور یورپی طاقتوں کے ناپاک عزائم کو سمجھ کر ان کے خلاف متحد ہونا چاہیے تھا۔

سعودی عرب اور کویت یا بالفاظِ دیگر سعودی اور کویتی حکمرانوں کا باہمی تعلق بھی اس نزاع اور فوجی کارروائی میں ان کا باہمی اشتراک بھی اپنے اندر ایک تاریخی پہلو رکھتا ہے جو باختصار یہ ہے۔

کویت کا حکمران خاندان الصباح اسی قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتا ہے، جس سے آل سعود ہیں۔ اور یہ کویت میں آئے بھی نجد سے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں شاہ فہد کے دادا عبدالرحمٰن بن فیصل آل سعود نے نجد کے شمال میں حائل ریاست کے حکمران یعنی آل رشید کے ہاتھوں شکست کھا کر کویت میں بھاگ کر پناہ لی تھی۔ اس وقت شاہ فہد کے والد الملک عبدالعزیز آل سعود کی عمر پندرہ سال تھی۔ گیارہ سال تک جلاوطنی میں یہ اپنے والد سابق سلطان نجد عبدالرحمٰن آل سعود کے ساتھ شیخ یا حاکم کویت مبارک الصباح کے مہمان رہے اور یہیں پل کر جوان ہوئے۔

پھر انہوں نے مبارک الصباح کی مختصر مالی و عسکری مدد سے ۱۹۰۲ء میں ایک مہم جویانہ اچانک حملہ رات کے اندھیرے میں کر کے ریاض کے غاصب حاکم کو قتل کر دیا اور ریاض پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح دوبارہ آل سعود کی حکومت ریاض و نجد میں قائم ہو گئی اور آس پاس کے چھوٹے بڑے آزاد علاقوں اور آخر میں حجاز پر قبضہ کر کے الملک عبدالعزیز نے وہ مضبوط مملکت قائم کی جس کو آج ہم سعودی عرب کے نام سے جانتے ہیں۔